© rasailojaraid.com

رہنمائی کی گئی ہے۔

دیباچہ از مؤلف شہید۔ بین الاقوامی دائرۂ فکرِ اسلامی دُنیا کے علما اور دانشوروں کی خدمت میں یہ تحفہ پیش کرتے ہوئے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔ یہ رسالہ اسلامی خطوط پر علوم کی اسلامی تشکیلِ نو کے بارے میں ہے۔ اور ذمہ دارانِ ادارہ کے نزدیک پندرھویں صدی کے پہلے عشرہ کی رعایت سے مناسب ترین تحفہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ رسالہ مجوزہ عنوان پر ان دو مقالوں کا نچوڑ ہے، جو ادارہ کے صدر اور ڈائریکٹر صاحبان نے اسلام آباد میں منعقد ہونے والے سیمینار میں پیش کیے گئے تھے۔ مزید برآں اس تالیف میں سیمینار میں شریک پچاس مزید دانشوروں کی آراء سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ سیمینار کا اہتمام اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد اور بین الاقوامی ادارۂ فکرِ اسلامی کی جانب سے کیا گیا تھا۔ جس کا انعقاد جنوری ۱۹۸۲ء مطابق ربیع الاول ۱۴۰۲ھ کو اسلام آباد میں عمل میں آیا۔

زیرِ نظر مقالہ کی ناگزیر اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ احوالِ حاضرہ کا تجزیہ، ماضی سے استفادہ اور مطلوبہ جہات میں پیش قدمی کے لیے خاکہ سازی اور منصوبہ بندی ہی بقا اور خوش حالی کی ضامن اور ناگزیر ضرورت ہے۔ خدا کا واضح فیصلہ ہے کہ لَا یُغَیِّرُ اللّٰہُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ (خدا اس وقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدلے) تاریخ کا ایک ناقابلِ تغیّر اصول ہے۔ یہ مقالہ اس شدید احساس کے ساتھ سپردِ قلم کیا گیا ہے کہ اُمتِ مسلمہ موجودہ دَور میں سخت بیچارگی اور مصائب سے دوچار ہے اور اس میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اُمت کے مصائب کا حل تلاش کیا جائے، تاکہ اس کو اس کی اصل کیفیت پر واپس لایا جاسکے۔ اور اس کے اندر یہ احساس و عزم پوری شدّت کے ساتھ دوبارہ پیدا کیا جاسکے کہ اس کو دُنیا اور اقوام کی امامت و قیادت کا منصب سنبھالنا ہے کہ جس کے لیے اس کو وجود میں لایا گیا تھا۔

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُہَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَ یَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا۔

(اور اس طرح ہم نے تم کو اُمتِ وسط بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ چند باتیں ایک اسلامی مفکر کے ذہن کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لیئے کافی ہیں جو یقیناً اس کے دل میں ازلی وعدے کو پورا کرنے کی روحانی تڑپ اور مستقبل میں اس کی عملی تعبیر کا جذبہ پیدا کریں گی۔

چودھویں صدی کے نصف آخر میں اسلامی بیداری کی ایک لہر پورے عالم میں دوڑ گئی ہے اور اسی دوران دنیائے اسلام کے منتشر شیرازے نے آزادی کی جانب ایک اہم قدم اٹھایا ہے، ساتھ ہی ساتھ ایسا بھی ہوا ہے کہ اسی چودھویں صدی میں مسلمان عام طور سے اجنبی تہذیبوں کی جانب تیزی سے لپکتے رہے ہیں، مگر اجنبی تہذیبوں کی جانب یہ دوڑ ہر میدان میں ناکامی پر منتج ہوئی ہے۔ ہاں اس کے نتیجے میں اتنا ضرور ہوا کہ امت کا بالا طبقہ اسلام سے دور ہوتا چلا گیا اور باقی طبقات ہمتیں ہار بیٹھے۔ اسلامی اندازِ نظر پر دوسرے انداز غالب آگئے جو نوآبادیاتی نظام کے علمبردار حملہ آوروں کی دین تھے۔ اجنبی نقطہ ہائے نظر مسلم معاشرہ میں راہ پاگئے اور حملہ آوروں کے رخصت ہوجانے کے بعد ان کو تقویت ملی۔ کئی نسلوں تک مسلم امت ان غیر اسلامی افکار وخیالات سے چھٹکارا پاسکنے کے قابل نہ ہوسکی جن کا عکس اب بھی ہر جگہ جھلکتا ہے اور جس کا مشاہدہ مسلمانوں کے درآمد کردہ اداروں میں انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کے درمیان مقبول ہونے میں، گھروں اور شہروں میں، تفریحی پروگراموں میں، معاشی اور سیاسی سرگرمیوں میں اور فطرتِ انسانی اور معاشرے سے متعلق ان کے نظریات میں بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ تعلیمی نظام اجنبی افکار کو پھیلانے اور رائج کرنے کا ایک اہم وسیلہ ثابت ہوا۔ اس تعلیمی نظام کے دو حصے ہیں۔ ایک جدید اور دوسرا اسلامی تعلیمی نظام کی یہ تقسیم ہی مسلمانوں کے زوال کا خلاصہ ہے۔ اس تقسیم کو اولین فرصت میں دفع کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ امت کی تشکیل اور تعمیر نو کی ہر سعی کو یہ تقسیم ناکام بنا دے گی اور امت کبھی اس بارِ امانت کو اٹھانے کی متحمل نہ ہوسکے گی جس کا وعدہ وہ اپنے پروردگار سے کرچکی ہے۔

ماضی میں کچھ مسلمان دانشوروں نے اسلامی نظامِ تعلیم کی اصلاح کی یہ صورت نکالی کہ اس کے نصاب میں اجنبی افکار سے مستعار لی ہوئی چیزوں کی پیوندکاری کردی جائے۔ سرسید احمد خان اور محمد عبدہ اسی طرزِ فکر کی حامل شخصیتیں ہیں۔ اسی اندازِ فکر پر عمل کرتے ہوئے جمال عبدالناصر نے مضبوط اسلامی قلعہ (جامعۃ الازہر) کو ۱۹۶۱ء میں ایک جدید یونیورسٹی میں تبدیل کردیا۔ اس تجدیدی فکر کی پوری عمارت اس مفروضہ پر قائم کی گئی تھی کہ نام نہاد "جدید علوم" بے ضرر ہیں اور امتِ مسلمہ کی تقویت کا باعث۔ اس نقطہ پر کم ہی توجہ دی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظریہ کے مختلف پہلو ہیں جو اسلام کے لیئے قطعاً بیگانہ نہ ہے۔ یہ لوگ اس لطیف مگر لازمی تعلق کو شاید ہی سمجھ سکے ہوں جو ان علوم کے طریقہ ہائے تنظیم اور نظریہ ہائے صداقت اور علم کو اجنبی دنیا کے نظامِ اقدار کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔ اسی سبب سے ان کے اصلاحی کارنامے کچھ مثبت نتائج پیدا نہ کر سکے۔ ایک جانب جمود پذیر اسلامی علوم کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا اور دوسری جانب جدید علوم کا اضافہ بھی وہ عظمت نہ بخش سکا جو اس نے اپنے موجدوں کو اپنے اصل وطن میں بخشی تھی، بلکہ توقع کے بالکل برخلاف اس طرزِ فکر و عمل نے مسلمانوں کو اجنبی تحقیق اور قیادت کا محتاج ضرور بنا دیا۔ معروضی طرزِ فکر کے بلند بانگ دعووں کے بل بوتے پر جدید فکر نے مسلمانوں سے ان اسلامی عقائد کے منافی افکار کو تسلیم کرا کے چھوڑا جو ترقی کے علمبرداروں کے نزدیک رجعت پسندی اور قدامت پرستی کا دوسرا نام تھا۔

تعلیمی اصلاح کے ایسے گھٹیا اور مضر طریقوں سے دست بردار ہونے کے لیے یہ موقع مناسب ہے۔ مسلمان دانشوروں کا فرض ہے کہ وہ اس کا فائدہ اٹھائیں۔ ان کے نزدیک تعلیمی اصلاح تو خود علوم جدیدہ کی اسلامی تدوین و تشکیل ہے۔ یہ ایک ایسا کام ہے جو ہمارے پیش روؤں کے عمل سے مماثل تو ہے؛ مگر اس کا دائرہ کار ان اسلاف کے دائرہ کار سے وسیع تر ہے جنہوں نے ہمعصر علوم سے استفادہ تو کیا مگر ورثہ میں اسلامی ثقافت و تہذیب کو چھوڑا۔ ادبی معاشرتی اور طبعی علوم کی تفہیم و تشکیلِ نو وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اب علوم کو لازمی طور پر اسلامی بنیاد فراہم کی جانی چاہیئے اور اسلامی طرزِ فکر سے ہم آہنگ مقاصد کا ان کو پابند کیا جانا چاہیئے۔ ہر شعبۂ علم یا مضمون کی تدوینِ نو کی جانی چاہیئے تاکہ اس کی منہاجیات (METHODOLOGY) حکمتِ عملی (STRATEGY) بنیادی مفروضات، مقاصد اور مسائل کو حل کرنے کے طریقوں میں اسلامی اصولوں کو سمویا جا سکے۔ ہر مضمون کی نئی صورت گری اس طرح ہونی چاہیئے کہ اس کا تعلق اسلام کے نظامِ اقدار سے استوار ہو جائے۔ جس کی مثال ایک سہ نکاتی نظریۂ توحید کی ہے۔ پہلا نکتہ وحدتِ علم کا ہے جس کے تحت تمام شعبہ جات علم — DISCIP-LINES — حقیقت کی تلاشِ عقلی، معروضی اور تنقیدی سطح پر کریں۔ اس طرح یہ قضیہ ہمیشہ کے لیئے ختم ہو جائے گا کہ کچھ علوم عقلی ہوتے ہیں اور کچھ نقلی (TRADITIONAL) یعنی جن کا تعلق عقل سے نہیں ہوتا۔ یا یوں کہہ لیجیئے کہ کچھ علوم مجرد اور سائنسی ہوتے ہیں اور کچھ اضافی اور اعتقادی۔ دوسرا نکتہ وحدتِ حیات کا ہے جس کے تحت سارے علوم کو فطرتِ تخلیق کی یک رنگی اور توافق پر توجہ مرکوز کرنی چاہیئے تاکہ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بحث ختم ہو سکے کہ کچھ علوم اہم ہوتے ہیں اور کچھ بے قیمت یا بے اثر۔

تیسری ضرورت وحدتِ تاریخ ہے، جس کے تحت تمام علوم اس بات کو تسلیم کرنے کے بعد کہ تمام انسانی حرکات کے پیچھے معاشرتی مزاج کارفرما ہوتا ہے معاشرہ کی تاریخی خدمت پر مامور ہو جائیں۔ اس طرح تمام علوم انسانی اور معاشرتی شکل اختیار کر لیں گے اور ان کی انفرادی اور معاشرتی تقسیم ختم ہو جائے گی۔

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کا تعلق زندگی، حیات و فکر اور تفکر کے تمام پہلوؤں سے ہے اس تعلق کو علم کے تمام پہلوؤں میں اجاگر کیا جانا چاہیے۔ ہر مضمون کے متعلق درسی کتب کو دوبارہ لکھا جانا چاہیے۔ جس میں متعلقہ میدانِ علم کو اسلامی رویت (VISION OF REALITY) پر منطبق کیا جانا چاہیے۔ مزید برآں مسلم اساتذہ کی تربیت اس انداز سے ہونی چاہیے کہ وہ نئی درسی کتب کو پڑھانے کا حق ادا کر سکیں۔ مسلم یونیورسٹیوں، اسکولوں اور کالجوں کو اسی طور پر بدلنا چاہئے کہ وہ تاریخِ عالم میں اپنا قائدانہ مقام پھر حاصل کر سکیں۔ فکرِ اسلامی سے مالا مال یہ مدرسہ ہی تھا جو رفتہ رفتہ وقف کی حیثیت اختیار کر گیا تھا اور اسی سبب سے اس کو اپنا قانونی تشخص اور خود مختاری حاصل ہوئی تھی۔ یہ بصیرتِ اسلامی ہی تھی جس نے انہیں مدرسوں کو پیرس، آکسفورڈ اور کولون کی بارھویں صدی کی یونیورسٹیوں کے لیے نمونہ بنا دیا اور اسی اسلامی منظر نے مدرسہ کو انسانی کاوش و جستجو کے ہر میدان کا رہنما ٹھہرایا۔ انسانی شخصیت و کردار کو تبدیل کرنے والا بنا دیا۔ اور اُمت کے شاندار کارناموں کو تہذیب و ثقافت کے جزو کی حیثیت دی۔ مدرسہ اسلامی نظم کی پابندی کیا کرتا تھا۔ اس کا روزانہ عملی پروگرام نمازِ فجر سے شروع ہو کر نمازِ عشاء پر ختم ہوا کرتا تھا۔ اس کا نظامِ تدریس ایک ہمہ وقتی پروگرام تھا۔ جس میں طلبہ اور اساتذہ ایک ہی مقصد کے تحت ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ یہ مقصد تھا تخلیق میں سنّتِ اللہ کا ادراک۔ تعلیم و تدریس استاذ (شیخ) کے غیر متزلزل کردار پر منحصر تھی۔ طالب علم سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ نہ صرف استاد کی ساری صلاحیتیں اپنے اندر جذب کرے گا، بلکہ اس سے بھی آگے نکلنے کی کوشش کرے گا۔ نصاب کی تکمیل پر شیخ دستار بندی کی تقریب میں اپنے شاگردوں کو "امامت" کی سند عطا کرتا تھا۔ جو اس بات کی علامت ہوتی تھی کہ شاگرد کی بات بھی اب اتنی ہی مستند اور وزنی ہے جتنی اس کے استاد کی۔ اس کے علاوہ ایسے طلبہ اساتذہ کی نمائندگی کرنے کے اہل سمجھے جاتے تھے۔ تعلیمی معیار اعلیٰ سے اعلیٰ ہوتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا اس لیے کہ استاد کی عزت اور توقیر کا معاملہ بہت سنجیدہ اور اہم تصور کیا جاتا تھا، جس کا انحصار طلبہ کی کارکردگی پر تھا۔ تعلیمی میدان میں یہ نمایاں عظمت اسی سبب سے حاصل ہو سکی کہ نظمِ تعلیم کا دارومدار اسلامی فکر پر تھا جس کا لازمی تقاضا عزمِ صمیم کے ساتھ محض رضائے الٰہی کی خاطر حقیقت کی تلاش کرنا ہے۔

مگر ان سارے حقائق کے باوجود پندرھویں صدی ہجری کے اوائل میں مسلمان اپنے طلبہ کے ہجوم میں تو گھرا پاتے ہیں مگر تعلیمی نظم کے فطری ارتقاء کے متعلق خالی ذہن ہیں۔ وہ ہر سمت علم کے بہاؤ کو دیکھتے ہیں مگر ان کے دانشوروں یا اداروں یا مفکرین کے پاس اس علمی سیلاب سے نبرد آزما ہونے کے لیے کوئی پروگرام، خاکہ یا نقشہ نہیں ہے۔ دنیائے اسلام سے نوجوان مغربی دنیا کا رخ کرتے رہتے ہیں، تاکہ تعلیم و تربیت حاصل کر سکیں اور ان کی تعداد بڑھتی ہی جاتی ہے۔ مسلمان ان کے ذہنی ضیاع کو برداشت کرتے رہتے ہیں۔ اس المیہ میں مزید شدت اس وقت پیدا ہو جاتی ہے جب پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا ہی میں بعثی عراق اور اسلامی جمہوریہ ایران باہم دست و گریبان ہو جاتے ہیں۔ سوویت روس افغانستان پر حملہ کر دیتا ہے۔ اسرائیل لبنان میں در آتا ہے، گولان کی پہاڑیوں پر قبضہ کر لیتا ہے اور فلسطین کو باقاعدہ اپنا باجگذار بنا لیتا ہے، مغربی صحارا، مشرقی افریقہ، جنوبی عرب اور فلپائن میں مستقل جنگیں جاری رہتی ہیں اور ہندوستان کی سب سے بڑی تاریخی اقلیت یعنی مسلمانوں پر ظلم و جور روا رکھا جاتا ہے۔ مزید برآں اسلامی تحریک کے کارکنان کو ساری دنیا میں دہشت کا ہدف بنا لیا جاتا ہے، ساتھ ہی ساتھ ان کی کردار کشی کی مہم بھی شروع کر دی جاتی ہے اور غلط سلط خیالات ان سے منسوب کیے جاتے ہیں یہاں تک کہ خود اسلام کا مقصد بھی خطرہ کی زد میں نظر آتا ہے۔

یہ سارے عوامل امتِ مسلمہ کو مزید تاریکی اور افسردگی میں دھکیلنے کا سبب بن سکتے ہیں۔ دورِ حاضر میں اس سے زیادہ اہم کوئی بات نہیں کہ تمام دانشور امت کے مسائل کے حل کی تلاش پر اپنی تمام تر توجہ مرکوز کر دیں اور اس کے امراض کے علاج کی تدبیر کریں۔ تاریخ میں پہلے کبھی بھی جنگی نعرہ اللہ اکبر کی اس قدر ضرورت دانشوروں کے طبقہ کو نہ تھی جتنی اب ہے۔

کاش کہ امت کا دانشور طبقہ اٹھ کھڑا ہو اور چیلنج کا مقابلہ کرے، خدا اس کی رہنمائی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدد کرے۔ خدا کرے کہ دانشور ایسا حل تلاش کرنے میں کامیاب ہو سکیں جو اللہ تعالیٰ، اس کے رسولؐ اور تمام مومنین کی رضا کا سبب بن سکے۔ (آمین)

اُمت کا المیہ

اُمتِ اسلام فی زمانہ دُنیا میں اقوام کے پست ترین مقام پر کھڑی پائی جاتی ہے۔ اس صدی میں کسی دوسری قوم کو ایسی شکست اور رسوائی سے دوچار نہیں ہونا پڑا، جیسی کہ مسلمانوں کے حصے میں آئی۔ مسلمانوں کو تھکا مارا گیا۔ اُن کا قتلِ عام کیا گیا۔ ان کی زمین جائداد پر ڈاکہ مارا گیا۔ اور اُن کو زندگی اور اس کی آرزوؤں سے محروم کر دیا گیا۔ مسلمانوں کو فریب دیے گئے۔ ان کو نو آبادی بنا لیا گیا اور ان کا استحصال کیا گیا۔ ان کو زبردستی تبدیلیٔ مذہب پہ مجبور کیا گیا۔ کہیں طاقت سے دبا کر اور کہیں پیسہ سے اُن کو بے دین بنایا گیا اور ان کے دشمنوں کے دشمنوں کے خارجی اور داخلی ہرکاروں کے ذریعہ ان کو اسلام سے دُور کرنے کی حتی الامکان سعی کی گئی۔ مسلم دُنیا کے تقریباً ہر ملک اور ہر گوشہ میں ایسا ہی ہوا ہے۔ مسلمانوں کو جو پہلے ہی ہر لحاظ سے ناانصافی اور ظلم کا شکار تھے، نمائندگی اقوام میں مطعون و مذموم کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی گئی۔ آج دُنیا میں اُن کو بدترین قوم سمجھا جاتا ہے، مغربی ذرائع ابلاغ میں لفظ مُسلم مترادف ہے تخریب کار، جنونی، بے لگام، دہشت پسند، غیر مہذب، بنیاد پرست، جھگڑالو اور قدامت و رجعت پسند کا۔ تمام غیر مُسلموں کے نزدیک خواہ وہ ترقی یافتہ ہوں یا ترقی پذیر، سرمایہ پرست ہوں یا اشتراکی، مغربی ہوں یا مشرقی، مہذب ہوں یا جانگلو، مُسلمان ہدفِ نفرت و ملامت ہے۔ مسلمان دُنیا بھی اپنے داخلی مناقشات، تفریق، تشدد، تناقضات، جنگوں، انسانی ذلت، ہولناک غریبی اور قحط اور وبا جیسی صفات سے ہی جانی جاتی ہے، نیز ان ساری کیفیات کو عالمی امن کے لیے خطرہ بھی تصور کیا جاتا ہے۔ عموماً ہر جگہ کے لوگ مُسلم دُنیا کو دُنیا کا "فردِ بیمار" تصور کرتے ہیں اور پھر یہ ذہن کر لیتے ہیں کہ ان سارے جھگڑوں اور آلام کی جڑ دینِ اسلام ہے۔ مسلمانوں کی تعداد ایک ارب سے بیش ہے، ان کی جغرافیائی حدود وسیع تر ہیں اور دولت سے مالا مال۔ مسلمان دُنیا میں افرادی قوت، مادی قوت اور جغرافیائی و سیاسی وسائل کے معاملے میں بھی دوسروں پہ بدرجہا فوقیت رکھتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کو اسلام کی قوت اور دولت بھی حاصل ہے جو ایک فائدہ مند، عالمی اور عقلی دین ہے۔ ان سارے حقائق کے باوجود مسلمانوں کی ہزیمت اور شکست خوردگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک نہایت افسوسناک حقیقت ہے اور اس کے بارے میں غلط تاثر قائم کرنا اور ان کی تحقیر و تذلیل ناقابلِ برداشت حرکت ہے۔

المیہ کے اثرات سیاسی محاذ پر

اُمت آپسی تفریقات کا شکار ہوچکی ہے۔ استعماری قوتوں نے کامیابی کے ساتھ اُمتِ مسلمہ کو پچاس سے زاید ٹکڑیوں میں بانٹ دیا ہے جنہوں نے اپنی اپنی ریاستیں الگ الگ بنا رکھی ہیں۔ اور پھر ان کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا دیا ہے۔ مسلم ممالک کی جغرافیائی حدود کو اس طور پر متعین کیا گیا ہے کہ ہر ریاست اپنی پڑوسی ریاستوں کے ساتھ برابر جھگڑوں میں اُلجھی رہے۔ سیاسی سازشیں ہمیشہ ایسے سرحدی جھگڑوں کو ہوا دینے میں لگی رہتی ہیں، اور دو ریاستوں کے مابین دُوری اور عداوت کا وافر سامان مہیا کرتی رہتی ہیں۔ داخلی طور پر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسلمان ریاست اندرونی انتشار کا شکار رہے۔ ہر ملک میں مختلف النسل لوگ آباد ہیں۔ استعماری قوتوں نے اُن میں سے ایک کو دوسرے پر حاکم بنا دیا ہے۔ یہی چیز داخلی انتشار کا بنیادی سبب ہے۔ اس بات کا موقع ہی نہیں دیا جاتا کہ ان ریاستوں کو امن نصیب ہو، تاکہ وہ اپنے شہریوں کے اتحاد کے وسائل تلاش کرنے کی کوئی کوشش کرسکیں اور ان کو بنیاد مرصوص بنایا جاسکے۔ اور کبھی اس بات کا موقع بھی نہیں دیا کہ کوئی دو ریاستیں ایک دوسرے کے اس قدر قریب آجائیں کہ وہ ایک وحدت میں تبدیل ہوجائیں۔ صورتِ حال کو ابتر بنانے کی خاطر دشمن اغیار کو مسلم دُنیا میں گھسیڑ لایا ہے تاکہ ان میں اور مقامی باشندوں میں مستقل نزاع کی کیفیت باقی رہنے کو یقینی بنایا جاسکے۔ یا اُس نے مقامی باشندوں کو مغربی عیسائیت کو بجبر داخل کر لیا ہے جس کے نتیجے میں ان کا مسلم دُنیا سے انقطاع اور بُعد یقینی ہے۔ یا اس نے غیر مسلموں کے دماغوں میں اپنے تشخص کا خبط داخل کر دیا ہے، جس کے سبب وہ مسلمانوں سے برسرپیکار رہتے ہیں۔ ٹیپ کے بند کے طور پر دشمن نے مسلمان دُنیا کے عین قلب میں دشمن اجنبی ریاستیں قائم کر دی ہیں تاکہ مسلمانوں کو تعمیر اور امن کے اعلیٰ مقاصد سے ہٹا کر مبتلائے جنگ رکھا جاسکے۔ اور ان کی قوت اور صلاحیتوں کو ضائع جانے دیا جائے۔ یا یہ کہ ان ریاستوں کو استعماری قوتیں اپنے سیاسی، معاشی اور دفاعی اڈوں کے طور پر جب چاہیں استعمال کرسکیں۔ کوئی بھی مسلم ریاست نہ داخلی طور پر محفوظ ہے اور نہ ہی خارجی طور پر۔ ہر مسلمان ریاست اپنے وسائل کا بیشتر حصّہ اپنے اندرونی استحاد اور سرحدوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دفاع پر صرف کرنے پر مجبور ہے، مگر یہ سارے انتظامات بیکار ثابت ہوتے رہتے ہیں۔

بیشتر اسلامی ملکوں میں استعماری قوتوں نے سیاسی اداروں کو تباہ کر دیا ہے سوائے اُن چند ممالک کے جہاں کے سرمایہ دار ان قوتوں کے ساتھ اشتراکِ عمل پر متفق ہو گئے ہیں۔ استعماری قوتوں نے مراجعت کے وقت اقتدار اس طبقہ کو سونپا جو پہلے ہی ان کا ذہنی غلام ہو چکا تھا۔ اور ذہنی اور عملی طور پر مکمل مغربی ہو چکا تھا، مگر اصل قوت فوج کے پاس تھی جس کو اس نے اقتدار پر قبضہ کرنے کے لیے استعمال کرنے میں تاخیر نہیں کی۔ اکثر و بیشتر مسلم ممالک میں فوج کا اقتدار قائم ہے جس کا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس ایسی سیاسی تنظیمات نہیں ہیں جو حکومت کے نظم کو سنبھال سکیں یا عوام کو کسی مسئلہ پر اپنا ہم خیال بنا سکیں یا ان کو تعمیری سیاسی جہت کی جانب لے جا سکیں یا کم از کم عوام کو اشتراکِ عمل پر ہی آمادہ کر سکیں۔

معاشی محاذ پر امیہ کے اثرات

اُمت غیر ترقی یافتہ اور پس ماندہ ہے۔ ہر جگہ مسلمانوں کی اکثریت ناخواندہ ہے۔ ضروریات کی پیداوار اور خدمات کی فراہمی ضرورت سے اس قدر کم ہے کہ ان کے حصول کے لیے استعماری قوتوں پر ہی انحصار کرنا پڑتا ہے اور ضرورت کا سامان وہیں سے درآمد کیا جاتا ہے یہاں تک کہ بنیادی ضروریاتِ زندگی یعنی غذا، لباس، توانائی اور اشیائے ضرورت کے معاملے میں کوئی مسلم ملک خود کفیل نہیں ہے۔ اگر کسی سبب سے استعماری قوتیں ان ممالک کے ساتھ اپنی ناجائز تجارت روک دیں تو قحط کی صورت پیدا ہونے کا امکان ہے۔ ہر جگہ استعماری ممالک اپنے یہاں پیدا شدہ اشیاء کی کھپت کی غرض سے ان ممالک میں ان اشیاء کی مصنوعی طلب پیدا کرتے ہیں جب کہ مسلمانوں کی اصل ضرورت یعنی (HARDWARES) کی فراہمی پر کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی۔ مسلمانوں کی ملکی پیداوار کے مقابلے میں درآمد کیا ہوا سامان زیادہ مقبول ہوتا ہے اور نتیجۃً مقامی پیداوار بازار سے غائب ہو جاتی ہے۔ اگر کسی صنعت کو استعماری اشتراک سے قائم کیا جاتا ہے تو اس کا انحصار بھی ان ملکوں کے خام مال پر ہی ہوتا ہے، یا تیار شدہ جزویات وہیں سے حاصل کی سکتی ہیں۔ اس طرح صنعت کو بھی وہ اپنی مرضی کے تابع بنا لیتے ہیں اور اسے اپنے استعماری مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اکثر و بیشتر حالات میں مسلم صنعتیں اصل ضروریات کو پورا کرنے والی اشیاء پیدا نہیں کرتیں، بلکہ ان مصنوعی اور غیر ضروری ضروریات کو پورا کرنے میں لگی

© rasailojaraid.com

رہتی ہیں، جن کی طلب مغربی پروپیگنڈے کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ مسلمانوں کی زرعی خود کفالت کو روکنا اُن کا پہلا کام ہے، اس لیے کہ زرعی خود کفالت استعماری قوتوں کے اثر سے آزاد رہنے میں سب سے بڑی معاون اور ان کے سازشی شکنجوں کا توڑ کرنے کے لیے شاہ ضرب کی حیثیت رکھتی ہے۔ مسلمان کاشتکاروں کو بہتر شہری زندگی کے بہلاوے، مجوزہ تعمیراتی کام یا صنعت میں عارضی ملازمت دلوانے کے بہانے اور زمینداروں اور ٹیکس وصول کرنے والے ہرکاروں کے استحصال کے ذریعے جڑ سے اُکھاڑ پھینکا جاتا ہے۔ مسلمان کسان شہر جاتے ہیں۔ جہاں وہ گندی بستی میں واقع جھگی جھونپڑیوں میں رہتے ہیں، درآمد کردہ ڈبوں والا کھانا کھاتے ہیں اور آقا کے حکم پر حاضر ہو جانے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔

تیل کی جو دولت اللہ تعالیٰ نے مسلم ممالک کو عطا فرمائی تھی، عملاً وہ نعمت ثابت نہ ہو سکی کہ جس کی اس سے توقع تھی۔ چونکہ یہ دولت کم آبادی والے ممالک میں دریافت ہوئی تھی اس لیے حکومتیں اس کو نسلی مقاصد اور مُلکوں کو خوبصورت بنانے میں استعمال کرنے لگیں۔ یوں تو دولت کی مقدار اتنی زیادہ ہے کہ ایسے اخراجات اس کو ختم نہ کر سکیں گے، مگر جو پہلو تشویش ناک ہے وہ یہ ہے کہ یہ دولت آسانی اور حفاظت" کے خیال سے غیر مُسلم ممالک کے اقتصادی بازاروں میں ہی لگا دی جاتی ہے۔ جس کا واحد نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دشمنانِ اسلام مضبوط سے مضبوط تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کوئی بھی محتاط سرمایہ کار سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے مسلم ممالک میں سرمایہ کاری کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔ نتیجتہً وہ مُسلم علاقے جو زرعی اور صنعتی لحاظ سے بڑے مفید اور کار آمد ثابت ہو سکتے ہیں زر کی قلت کے باعث محروم رہ جاتے ہیں اور جو دولت اُمت کی خوشحالی کے امکانات کو حقیقت کا روپ دے سکتی ہے، دیارِ غیر کی جانب ہی چلی جاتی ہے۔

المیہ کے اثرات ثقافتی اور مذہبی محاذ پر

مسلمانوں کے زوال پہ گذرنے والی صدیوں نے ان کے درمیان جہالت، ناخواندگی اور توہم کے پھیلنے میں مدد دی ہے۔ اِن خرابیوں کے باعث عام مسلمان یا تو اندھے اعتقاد کا شکار ہو گئے یا لفظ پرستی وغیرہ ان میں بے طرح در آئی، یا اُنھوں نے "شیخ" کی روحانی غلامی قبول کر لی، جس کی وجہ سے ان کی دانشورانہ قوتِ مدافعت بالکل ماند پڑ گئی اور وہ اپنے دین پر حملوں کا مسکت جواب دینے کے قابل نہ رہے۔ جب جدید دنیا نے اُن پر اثر ڈالا

© rasailojaraid.com

تو اُن کی اپنی معاشی، سیاسی اور دفاعی کمزوریوں اور خامیوں نے اُن کو مصیبت میں مبتلا کر دیا - اس ابتلا سے گھبرا کر انہوں نے جزوی اصلاحات کرنا چاہیں اور یہ سمجھا کہ اس طرح وہ بہت جلد اپنے درخشاں ماضی کی بازیافت ممکن بنا سکیں گے - حماقت یہ ہوئی کہ مسلمانوں نے مغرب کی کامیابی سے متاثر ہو کر اور اپنے زیرک مغربی یا مغرب زدہ مشیروں کے ورغلانے میں آ کر مغرب زدگی کو اختیار کر لیا اور اسی کو وسیلۂ نجات سمجھا - استعماریت زدہ ممالک میں حکمرانوں کی شہ پر مغربیت اور مغربیت زدگی کو خوب خوب ہوا دی گئی اور اس کو عمومی بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا -

مخلص یا غیر مخلص مسلمان مغربیت پسند قائدین یہ نہ سمجھ سکے کہ ان کی حکمتِ عملی اور پالیسیاں اسلامی ثقافت اور دین کی جڑیں کھوکھلی کر دیں گی - مغرب کی پیداواریت اور قوت کے مظاہر اور خدا، انسان، زیست، فطرت، دنیا، زبان اور تاریخ کے متعلق مغرب کے نظریات کے درمیان جو لطیف تعلق تھا وہ ان کی ظاہر بین نظروں سے مستور رہا - یا مادی ترقی کا خیال ان کے ذہنوں پر اس قدر مستولی تھا کہ وہ اس کو قصداً نظر انداز کر گئے - نتیجۃً ایک ایسا نظامِ تعلیم وجود میں لایا گیا جو مغربی اقدار اور مغربی طریقوں کی تبلیغ کرتا تھا - اس سے جو نسلیں فارغ ہو کر نکلیں وہ اسلام سے ناواقف تھیں اور اسلاف کے ورثہ سے نابلد - ان کی ناواقفیت میں اسلامی ورثہ کے محافظ علماء کے خلاف شکوک و شبہات کا بھی اضافہ ہو گیا جو قدامت پرست، لفظ پرست (LITERALIST) اور تصوف پرست ہونے کے باوجود مخلص ضرور تھے - رفتہ رفتہ اُمت کی صفوں میں ایک شگاف نمودار ہونے لگا، جو بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچا کہ اُمت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی - ایک حصہ مغربیت پسند، بے دین شمار ہونے لگا اور دوسرا بے دینی اور مغربیت کا مخالف - استعماری قوتوں نے اس بات کا خاص خیال رکھا کہ مسندِ اقتدار پر اول الذکر طبقہ ہی قابض رہے اور پالیسی سازی کا حق اسی کو حاصل رہے -

استعماری قوتوں سے براہِ راست یا اپنے زرخرید غلاموں کے ذریعہ بالواسطہ طور پر ایسے ممالک میں ہر اسلامی شعار کو ختم کرانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی - ہر وہ چیز جس پر اسلامی ہونے کا گمان گذر سکتا تھا، قابلِ تطہیر ٹھہری، خواہ وہ متنِ قرآن ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت - قومی ساکھ کی صحت ہو یا شریعت کی کاملیت، مسلمانوں کے ماضی کے شاندار کارنامے ہوں یا تہذیب و ثقافت کے ارتقا میں ان کا حصہ، ہر چیز کو شک و شبہ سے دیکھا گیا اور ہر چیز کی صحت کو مشکوک بنانے کی دانستہ اور بھرپور کوشش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی گئی۔ ان ساری مذموم حرکتوں کے پیچھے مقصد ایک ہی تھا، یعنی مسلمان کا اپنے آپ پر سے اعتماد اُٹھ جائے اور اُسے اپنی قوم، ایمان اور اسلام پر بھی بھروسہ نہ رہے۔ مزید یہ کہ اس کے اسلامی شعور کو سلا دیا جائے۔ اس کے اسلامی تشخص کو مضمحل کر دیا جائے اور اس طرح اس کو قعرِ مذلت میں پوری طرح دھکیل دیا جائے اور اس طرح روحانی قوت سے یکسر محروم کر دیا جائے جو دشمن قوتوں کے خلاف مدافعت کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ استعمار پسندوں اور ان کے حاشیہ برداروں نے مسلمانوں کی مسموم ترکی نجی اور اجتماعی زندگی کو ایسے عناصر سے بھر دیا جو مغربیت کو بڑھاوا دے سکیں۔ اخبارات، کتب، جرائد ریڈیو، ٹیلی ویژن، سینما، تھیٹر، ریکارڈ اور کیسٹ، اشتہارات اور رنگ برنگے پوسٹر سبھی نے اس مقصد کی اشاعت اور حصول کے لیے اپنے کو وقف کر دیا۔ مسلمان حکومتیں بہ طرزِ جدید وسیع وعریض شاہراہیں تعمیر کروانے میں تو فخر محسوس کرنے لگیں جن کے اطراف میں مغربی طرز کی سرکاری عمارتیں و دفاتر اور خوبصورت باغیچے بنے ہوں، مگر شہروں کے اطراف و مضافات میں بکھری ہوئی گندی بستیوں اور جھگی جھونپڑیوں والی آبادی کے بارے میں ان کو کوئی شرم محسوس نہیں ہوئی۔ مغربیت زدہ عوام کثرت سے پبلک ہالوں میں فلم، ڈرامہ یا موسیقی کے پروگراموں سے لطف اندوز ہونے لگے اور ان کے بچے انہی چیزوں کے بارے میں جرائد و کتب میں اور عیسائی تبلیغی اسکولوں میں پڑھنے لگے اور اس بات سے بالکل بے خبر ہے کہ وہ جو کچھ سوچتے اور کرتے ہیں ان کے دین وعقائد سے ٹکراتا ہے۔ جو مکمل طور پر مغربیت پرست ہو گئے انہوں نے مسلم ماحول اور اس کے پس منظر کی کھلی مخالفت شروع کر دی۔ انہوں نے اسلامی ثقافت اور اسلامی طرزِ حیات کی داخلی وحدت کو اپنی شخصیت، فکر اور عمل کے بیچ سے پاش پاش کر دیا اور ان کے خاندانوں نے بھی انہی کی پیروی کی۔ مغربی سماجی رسوم کو نہایت ہی گستاخانہ طریقہ پر عام کیا گیا۔ بجائے اس کے مسلمان عورتیں خود کو پستی سے نکال کر معروفات کی ان بلندیوں اور ان معاشرتی رفعتوں کی طلبگار ہوتیں جس کی تاکید اسلام نے کی ہے، انہوں نے زوال آمادہ مغربی تہذیب کے ظواہر کی بھونڈی نقالی شروع کر دی جس میں مرحلہ وار عریانیت اور بے راہ روی، انفرادی بے راہ روی کی غرض سے معاشی عدم انحصار، ہر فرد کی خود غرضانہ جستجو اور خاندانی فرائض سے پہلو تہی سبھی شامل ہیں۔ ہمارے شہروں میں اسلامی طرزِ تعمیر مفقود ہے اور شہر کی اسلامی طرز غیر موجود۔ ہمارا ہر شہری مرکز ہر اس غلطی اور خامی کو آنکھ بند کر کے اس

(باقی بر صفحہ ۵۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِسلامی ریاست میں عورت کی سربراہی

محترم جسٹس ملک غلام علی صاحب

روزنامہ "امروز" لاہور ۹ ردسمبر ۱۹۸۸ء کے شمارے میں پروفیسر رفیع اللہ شہاب صاحب کا ایک مضمون چھپا ہے جس کا عنوان ہے: "اسلامی تعلیمات کو بازیچۂ اطفال نہ بنایئے"۔ اس مضمون میں بخاری شریف کی ایک حدیث کو نشانۂ تنقید و تکذیب بنایا گیا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جو اپنی حکمرانی عورت کے سپرد کر دے"۔ روزنامہ پاکستان ٹائمز، لاہور مورخہ ۱۶ ردسمبر میں اسی موضوع پر ایک مضمون طاہرہ مریم صاحبہ کے نام سے شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے: "ایک اسلامی ریاست میں عورت بحیثیت وزیراعظم" اِن ہر دو مضامین کے مندرجات اس حیرت انگیز حد تک یکساں ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کا ترجمہ یا چربہ معلوم ہوتے ہیں۔ پروفیسر رفیع اللہ صاحب نے آج کل پرویز صاحب کے جانشین بن کر انکارِ حدیث کی قلمی مہم چلا رکھی ہے۔

یہ دونوں مقالے مغالطہ آمیزی کا مرقع بلکہ جہالت کا شاہکار ہیں اور ان میں حدیثِ صحیح کو جس طرح جعلی اور موضوع قرار دینے کی ناکام کوشش کی گئی ہے وہ ہر لحاظ سے لائقِ مذمت ہے۔ یہاں میں امروز میں شائع شدہ مضمون کے ضروری حصے نقل کر کے حقیقتِ حال واضح کرتا ہوں۔ رفیع اللہ صاحب نے صحیح بخاری کتاب الفتن کے حوالے سے درج ذیل حدیث نقل کی ہے:

عثمان بن الہیثم نے عوف سے، انہوں نے الحسن سے اور انہوں نے ابوبکرہؓ سے روایت

© rasailojaraid.com